10

یاد رکھو جھوٹ ایک کیڑا ہے جو قوم کے برگ و بار کو کھا جاتا اور اسے بڑھنے نہیں دیتا

(فرمودہ 29 مارچ 1946ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"کل انشاء اللہ پانچ بجے کی گاڑی سے جانے کا ارادہ ہے اِس لحاظ سے یہ جمعہ اِس دَورے کا آخری جمعہ ہے۔ مَیں نے گزشتہ خطبات میں جماعت کو تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آج مَیں اختصار کے ساتھ ایک تربیتی امر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ انسانی تربیت کے لئے جس حد تک اخلاق کا تعلق ہے ان میں سے سچ تبلیغ کے لئے سب سے بڑا حربہ ہے۔ اگر ہماری جماعت سچ پر کاربند ہو جائے تو ہماری تبلیغ بہت مؤثر اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ میں جھوٹ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ سچی بات کا تلاش کرنا محال ہو گیا ہے۔ مجالس میں عَلَی الْاِعْلَان جھوٹ بولا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص وہاں سچ بول دے تو ساری مجلس کی فضا بدل جاتی ہے۔ عدالتوں میں لوگ اپنی دوستی اور لالچ کی خاطر خوب جھوٹ بولتے ہیں اور ایسے طور پر بنا بنا کر جھوٹ بولتے ہیں کہ جج کو ان کے جھوٹ کا علم نہ ہو سکے اور جب عدالت سے باہر نکلتے ہیں تو اپنی چالاکی اور ہوشیاری دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جج کو یوں دھوکا دیا، ہم نے اس طرح بات کو بدلا کر بیان کیا۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم ایسے اچھے جھوٹے ہیں کہ ہمارے جھوٹ کا جج کو بھی پتہ نہیں لگ سکتا۔ جج

عَالِمُ الْغَيْب تو ہوتا نہیں کہ اس کو گواہوں کے سچے یا جھوٹے ہونے کا علم ہو جائے اس نے تو گواہوں کی شہادتوں کے مطابق ہی فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کے متعلق واقعہ آتا ہے کہ انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے ساری مملکت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ یہ اتنا بڑا عہدہ ہے کہ بعض باتوں میں بادشاہ کو بھی اس کے حکم کے ماتحت چلنا پڑتا ہے کیونکہ دین کے معاملہ میں جو حکم قاضی القضاۃ کی طرف سے جاری کیا جائے بادشاہ پر بھی اس کی فرمانبرداری لازمی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شخص کو بادشاہ کے خلاف کوئی شکایت ہو تو وہ قاضی القضاۃ کے پاس اس کی شکایت کر سکتا ہے اور بادشاہ کو اس کی جواب دہی کے لئے قاضی القضاۃ کے سامنے پیش ہونا پڑتا ہے۔ چونکہ اب بے دینی عام ہو گئی ہے اس لئے اب لوگوں کو اپنے عہدوں کی ذمہ داریوں کا احساس پورے طور پر نہیں رہا۔ اور اگر کسی شخص کو کوئی دنیوی عہدہ ملے تو وہ خوشی کے مارے پُھولا نہیں سماتا اور وہ ذمہ داریاں جو اس پر اس عہدہ کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں وہ اس کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں۔ اور اگر اسے وہ عہدہ نہ ملے تو تأسف اور رنج اس کی طبیعت کو ایک عرصہ تک پریشان کئے رکھتا ہے۔ جب اس بزرگ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا تو ان کے دوست انہیں اس بات کا احساس کرانے کے لئے کہ ہم بھی آپ کی خوشی میں شامل ہیں ان کے گھر پر مبارک دینے کے لئے آئے۔ جب وہ ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ بچوں کی طرح زار و قطار رو رہے ہیں۔ ان کے دوستوں نے انہیں اس طرح روتے دیکھا تو پوچھا کہ کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے آپ اس طرح چیخیں مار رہے ہیں؟ اور ساتھ ہی کہا۔ ہم نے تو کوئی ایسا المناک واقعہ نہیں سنا۔ ہم تو آپ کے قاضی القضاۃ ہونے کی خبر سن کر آپ کو مبارک دینے کے لئے آئے ہیں۔ اپنے دوستوں کی یہ بات سن کر انہوں نے پھر زور زور سے رونا شروع کر دیا اور کہنے لگے یہ مبارک دینے کا موقع ہے یا افسوس کرنے کا۔ جس کو آپ لوگ خوشی کا موقع سمجھتے ہیں اسی لئے تو مَیں رو رہا ہوں۔ یہ رونے کی بات نہیں تو اَور کیا ہے۔ مَیں عدالت میں بیٹھا ہوں گا۔ ایک شخص مدعی ہونے کی حیثیت سے میرے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ ایک سال ہوا مجھ سے فلاں شخص نے اتنا روپیہ قرض لیا تھا اور اب واپس نہیں دیتا۔ اور جو شخص مدعا علیہ ہونے کی حیثیت سے میرے سامنے آئے گا وہ

کہے گا کہ مَیں نے تو روپیہ لیا ہی نہیں یا کہہ دے گا کہ لیا تو تھا لیکن واپس کر چکا ہوں۔ اب مدعی کو بھی علم ہے کہ سچ کیا ہے اور مدعا علیہ کو بھی علم ہے کہ سچ کیا ہے لیکن مجھ ایک تیسرے شخص کو اس بات کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ معلوم کروں کہ سچ کیا ہے حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ کون جھوٹ بول رہا ہے اور کون سچ کہہ رہا ہے۔ روزانہ ایک اندھا عدالت کی کرسی پر اس لئے بیٹھے گا کہ وہ دو سجاکھوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ مَیں روتا اس لئے ہوں کہ جو مجھ سے غلط فیصلے ہوں گے ان کے متعلق قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور کیا جواب دوں گا۔

ہمارے زمانہ میں تو عدالتوں میں سچ بالکل ہی مفقود ہو چکا ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں خوب دل کھول کر جھوٹ بولتے ہیں اور بعض لوگ تو بغیر کسی خطرہ کے اور بغیر کسی وجہ کے بے تحاشا جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں اور جھوٹ بولنا ان کی عادت ثانیہ ہو چکا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ہماری جماعت بھی ابھی سچائی کے اس اعلیٰ مقام پر کھڑی نہیں ہوئی جس پر اسے کھڑا ہونا چاہئے تھا۔ اور ابھی ہمارے تمام افراد میں سو فیصدی سچ بولنے کی عادت پیدا نہیں ہوئی۔ کل ہی ہماری اسٹیٹوں کے مینجروں کا اجلاس ہوا جس میں اسٹیٹوں کی ترقی کے لئے تجاویز سوچنا مدنظر تھا۔ کچھ عرصہ ہوا محکمہ زراعت نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر ایک ایکڑ کے آٹھ حصے کر دیئے جائیں اور اسے علیحدہ علیحدہ طور پر پانی لگایا جائے تو بہت کم پانی خرچ ہوتا ہے اور اس طرح زیادہ زمین کاشت کی جا سکتی ہے۔ مَیں نے اس تجویز پر عمل کرنے کی مینجروں کو ہدایت کی تھی کہ پہلے سال ایکڑ کے دو حصے کر لو۔ پھر اگلے سال تک کم سے کم چار حصے کر لینا۔ کل مَیں نے پوچھا کہ اس تجویز پر کہاں تک عمل ہو چکا ہے؟ تو مجھے جواب دیا گیا کہ اس سال سو فیصدی اس پر عمل ہو چکا ہے۔ مَیں نے کہا جب اس پر سو فیصدی عمل ہو چکا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ پانی نہیں بچا اور کاشت میں بھی اضافہ نہیں ہوا اور پیداوار پہلے کی نسبت کم ہے؟ پہلے تم اسی پانی سے ایک ہزار ایکڑ کاشت کرتے تھے۔ پھر تم نے کہا کہ اگر تھوڑا سا رقبہ کم کر دیا جائے تو پیداوار بڑھ جائے گی اور تم نے ہزار کی بجائے نو سو ایکڑ زمین کاشت کی اور اب ہوتے ہوتے چھ سات سو ایکڑ رہ گئی ہے لیکن اس کے باوجود پیداوار نہیں بڑھی اس کا سبب کیا ہے؟ یا تو محکمہ زراعت والے جھوٹ کہتے ہیں یا پھر آپ لوگوں نے اس تجویز پر پورے طور پر عمل

نہیں کیا۔ محکمہ زراعت والے جو دلیل دیتے ہیں وہ معقول ہے اور ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک ایکڑ کو ایک ہی طرف سے پانی دیا جائے تو پانی زیادہ خرچ ہو گا۔ بہ نسبت اس کے کہ اس کے چار حصے کر کے انہیں علیحدہ علیحدہ رستوں سے پانی دیا جائے۔ میری اس بات کے جواب میں سب نے کہا کہ ہم نے تو ایکڑ کے چار ٹکڑے کر دیئے ہیں لیکن پتہ نہیں کہ پانی کیوں نہیں بچا۔ آخر مَیں نے عزیزم داؤد سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ کیا وجہ ہے کیوں پانی نہیں بچتا اور کاشت کیوں زیادہ نہیں ہو رہی؟ تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ ایک ایکڑ کے چار ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں لیکن پانی ایک ہی منہ سے دیا جاتا ہے۔ میرا چاروں ٹکڑوں کے متعلق پوچھنے سے بھی مقصد یہی تھا کہ چاروں حصوں کو الگ الگ پانی دیا جاتا ہے یا ایک ہی طرف سے۔ لیکن وہ جواب میں یہ کہتے جاتے تھے کہ ہم نے چار ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ یہ بات تو ٹھیک تھی کہ انہوں نے واقع میں چار ٹکڑے کر دیئے تھے لیکن پانی ان چاروں کو ایک ہی طرف سے ملتا تھا۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم نے چار ٹکڑے کر دیئے ہیں مجھے دھوکا دینے کے لئے تھا کہ مَیں ان کے ان الفاظ سے دھوکا کھا جاؤں۔ جب ان کو علم تھا کہ ہم چار ٹکڑے کرنے کی غرض کو پورا نہیں کر رہے تو ان کو چاہئے تھا کہ وہ صاف کہہ دیتے کہ چار حصے تو کر دیئے ہیں لیکن ابھی پانی ایک ہی طرف سے جاتا ہے۔ بس بات ختم ہو جاتی۔ خواہ مخواہ میرے دو گھنٹے ضائع کرا دیئے۔ اس بات کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی احمدیوں میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ اس قسم کا فقرہ بولیں جس کے لفظ بظاہر کم ہوں مگر مفہوم غلط ہو تو وہ اس میں حرج نہیں سمجھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سچائی کو دنیا میں قائم کریں گے۔ مجھے ان کی اس حرکت سے سخت تکلیف ہوئی ہے۔ مومن کا کام ہے کہ جو بات اس سے پوچھی جائے اسے صاف طور پر بیان کرے تا کہ پوچھنے والا کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔ لیکن آجکل حالت یہ ہے کہ عوام کے نزدیک اس قسم کا جھوٹ، جھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اور سچ بولنے کی وجہ سے جو شرمندگی اور ندامت اٹھانی پڑتی ہے اس کو برداشت کرنے کے لئے لوگ تیار ہی نہیں ہوتے۔ جھوٹ بول کر سرخرو ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا گو ہے تو وہ شرم کا مگر شریعت میں ایسی باتوں کو بیان کرنا

ہی پڑتا ہے۔ ایک دفعہ نماز میں میری ہوا خارج ہو گئی اور مَیں نماز چھوڑ کر وضو کرنے کے لئے چلا گیا۔ جب مَیں وضو کر کے آیا تو ایک شخص آگے بڑھ کر مجھے کہنے لگا۔ سُبْحَانَ اللّٰہ آپ نے کمال جرأت دکھائی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ مَیں بے وضو ہی نماز پڑھاتا رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود وضو کے ٹوٹ جانے پر بے وضو ہی پڑھ لیتا ہوگا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ پس آج لوگ ذرا سی شرمندگی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور مَیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ جس وقت تک ہماری جماعت ہر رنگ میں اچھا نمونہ قائم نہیں کرتی اس وقت تک کوئی بڑی تبدیلی پیدا کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اگر ہمارے کارکن سچائی کے پابند ہو جائیں تو ہمیں معاملات کی حقیقت سمجھنے میں وہ مشکلات پیش نہ آئیں جو اَب ہمیں پیش آتی ہیں۔ مَیں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ ضائع کر کے اس نتیجہ پر پہنچا کہ انہوں نے ایک ایکڑ کے چار حصے تو کر دیئے ہیں مگر پانی ایک راستہ سے ہی دیتے ہیں اور جن لوگوں نے یہ میرا وقت ضائع کیا اور سچ نما جھوٹ بولنے کی کوشش کی وہ قریباً سارے واقف زندگی ہیں جو اَور بھی قابلِ افسوس امر ہے۔ جھوٹی عزت کی خاطر انہوں نے میرے سامنے جھوٹ بول دیا۔ چونکہ سچ کا قیام میرے نزدیک نہایت ہی ضروری چیز ہے اس لئے جب تک میرے ساتھ معاملہ ہے چاہے میرا کوئی بڑے سے بڑا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اگر اس کا بھی جھوٹ ثابت ہو جائے تو مَیں اس کے جھوٹ کو بھی نہیں چھپاؤں گا۔ اسے کھلے بندوں اس کی غلطی کی طرف متوجہ کروں گا تا اسے اپنی اصلاح کی فکر ہو۔ اگر مَیں ان کے جھوٹ کو ظاہر نہ کروں تو آئندہ ایسے آدمیوں کو جھوٹ پر زیادہ جرأت ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے جھوٹ کا کسی کو پتہ نہیں لگ سکتا۔ اور اگر ان کا جھوٹ ظاہر کر دیا جائے تو انہیں اپنی اصلاح کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔

سچائی تو انسانی اخلاق میں سے ایک بنیادی چیز ہے اور جو شخص اپنے مکان کی بنیاد ہی ٹیڑھی رکھے اس کی اوپر کی عمارت کیونکر سیدھی رہ سکتی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ ایک شخص کے والدین اسے بی۔ اے یا ایم۔ اے تک پڑھاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا لڑکا پڑھنے کے بعد تحصیلدار یا ای۔ اے۔ سی۔ یا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس یا آئی۔ سی۔ ایس بنے گا۔ لیکن وہ زندگی وقف کر کے ان کی تمام امیدوں کے گلے پر چُھری پھیر دیتا ہے اور دین کے لئے ہر قسم کی

قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ خواہ اسے افریقہ بھیجا جائے یا امریکہ بھیجا جائے یا جاوا، سماٹرا بھیجا جائے یا چین یا جاپان بھیجا جائے۔ غرض جہاں بھی اسے بھیجا جائے وہ بغیر کسی عذر کے وہاں جائے گا۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اسے حکومتیں تکلیف دیں گی اور کس طرح اسے دوسروں لوگوں کے ہاتھوں تکلیف اٹھانی پڑے گی لیکن وہ ان سب باتوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر اس کا قدم سچ پر نہ پڑے تو کتنے افسوس کی بات ہے۔ حالانکہ سچائی ایک ایسی چیز ہے جس کی امید ہم ایک عام آدمی سے بھی رکھتے ہیں اور سچائی ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ لمبے لمبے مقدمات جو مدعی اور مدعاعلیہ دونوں کے مال کو گھن کی طرح کھاتے ہیں بہت جلد ختم ہو سکتے ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ مدعی بھی سچ میں جھوٹ ملانے کی کوشش کرتا ہے اور مدعاعلیہ بھی سچائی کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

سیالکوٹ کا ایک واقعہ ہے کہ دو فریقوں میں ایک جھگڑا چلا آتا تھا۔ ایک فریق نے دوسرے کو صلح کی دعوت دی اور ان کو اپنے ہاں بُلا کر ان میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ ان قتل کرنے والوں میں سے کچھ احمدی تھے اور کچھ غیر احمدی۔ ہماری ہمدردی لازماً مقتول کے وارثوں کے ساتھ تھی اور ہم نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر دیا لیکن مقتول کے وارثوں نے چند ایسے آدمیوں کے نام قاتلوں میں لکھوائے جو اس واقعہ کے دن گاؤں میں ہی نہ تھے یا جائے وقوعہ پر نہ تھے۔ محض عداوت اور دشمنی کی بناء پر ان کو اس قتل میں شریک بتایا گیا۔ جب ہم نے دیکھا کہ وہ عداوت کی وجہ سے کچھ ایسے آدمیوں کے نام قاتلوں کی فہرست میں شامل کر رہے ہیں جو بالکل بے گناہ ہیں اور جو اس واقعہ کے دن یہاں موجود ہی نہ تھے اور صریح غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں تو ہماری ہمدردی ان کے ساتھ بھی نہ رہی۔ کیونکہ اگر ایک انسان کو قتل کرنا ظلم ہے تو اسی طرح ایک ایسے شخص کو جس کا اس قتل میں دخل نہیں۔ اس پر الزام لگانا بھی تو ویسا ہی ظلم ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ لوگوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے جب کسی شخص سے اس کے دوست کے متعلق کوئی شہادت پوچھو تو وہ شروع کرتے ہی کہنا شروع کرے گا کہ اصل یوں ہے اور پھر اِدھر اُدھر کی رطب ویابس باتیں جن کا اصل بات سے کوئی

تعلق نہیں بیان کرتا چلا جائے گا تاکہ قاضی کا دماغ پراگندہ ہو جائے اور وہ اصل بات تک نہ پہنچ سکے۔ جب پوچھا جائے کہ فلاں شخص فلاں جگہ گیا تھا؟ تو بجائے اس کے کہ جواب میں یہ کہا جائے کہ ہاں گیا تھا یا نہیں گیا تھا۔ وہ اپنے دوست کو بچانے کے لئے لمبی کہانی شروع کر دے گا کہ اصل بات یوں ہے اور پانچ سات منٹ تک ایک بے معنی کہانی سناتا چلا جائے گا تاکہ پانچ سات منٹ میں سننے والے کا دماغ پراگندہ ہو جائے اور اسے اصل بات بھول جائے۔ حالانکہ مومن کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ جب اس سے کوئی بات پوچھی جائے تو وہ سیدھا سادہ جواب دیتا ہے اور حق پوشی اور دروغ گوئی کے قریب بھی نہیں جاتا۔

مَیں ہر سال جب یہاں آتا ہوں تو یہاں کے لوگوں کو اپنے سوالات پیش کرنے کا موقع دیتا ہوں لیکن مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ محض جھوٹی باتیں پیش کرتے ہیں۔ اسی سال محمد آباد کے ایک شخص نے میرے سامنے یہ بات پیش کی کہ مینیجر صاحب نے کپاس کے موقع پر سب فصل کپاس قرض میں لے لی اور پھر گندم کے موقع پر گندم بھی قرض میں وصول کر لی۔ ایسا انتظام کیا جائے کہ گندم تو ہمارے کھانے کے لئے رہنے دی جائے۔ مَیں نے اسے کہا یہ بات تو بِالبداہت باطل ہے۔ اگر تمہارا قرضہ ختم ہو چکا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ مینیجر صاحب تم سے قرضہ کا مطالبہ کریں۔ یہ بات پیش کرنے والا ایک پنجابی احمدی مزارع تھا۔ مَیں نے اسے کہا کہ آخر آپ اتنا قرض کیوں لیتے ہیں جو واپس نہ ہو سکے؟ یہ سلسلہ کا مال ہے اور اس کے نمائندوں کا فرض ہے کہ قرض وصول کریں۔ اگر آپ اپنی پیداوار سے زیادہ قرض لیں گے تو لازماً پیداوار بھی جائے گی اور قرض بھی سر پر کھڑا رہے گا۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا جب کپاس مینیجر نے وصول کی تو آپ کے ذمہ کوئی قرض نہ تھا۔ اگر تھا تو یہ لازمی بات ہے کہ اس قرض کو مینیجر گندم کے موقع پر وصول کرنے کی کوشش کرے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ کے کھانے کے برابر گندم آپ کے پاس چھوڑ دینی چاہیئے تھی۔ بتلایئے آپ کی گندم کتنی ہوئی تھی؟ کتنے آپ کے افراد ہیں اور کتنی مینیجر نے وصول کی؟ انہوں نے بتایا کہ 81 من گندم تھی۔ تین افراد گھر کے ہیں۔ 32 من مینیجر نے وصول کی اور 49 من چھوڑ دی۔ مَیں نے کہا آپ کے گھر کا خرچ زیادہ سے زیادہ تیس من ہو گا اور چھوڑی 49 من ہے۔ پھر

آپ کو کیا گلہ ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اور افسر نے رجسٹر پیش کر کے کہا کہ ہماری بات بھی سن لی جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کپاس پر ہم نے ان کی سب کپاس قرض میں وصول کر لی اور ان کے پاس کچھ نہ رہا۔ یہ رجسٹر ہے اس میں دیکھ لیں کہ ان کی کپاس کی قیمت 280 روپیہ ہوتی ہے۔ یہ رقم سابق قرض میں ہم نے ان سے وصولی کر لی لیکن وصولی کے تیسرے چوتھے دن یہ آ کر پھر تین سو روپیہ قرض لے گئے۔ گویا عملاً انہوں نے کپاس پر قرض واپس نہیں کیا بلکہ بیس روپے اَور قرض لے گئے۔ مَیں نے شکایت کنندہ سے پوچھا کیا یہ ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد افسر نے کہا باقی رہی گندم سو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے 32 من گندم ان سے لے لی گو جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے کہ پھر بھی ان کے پاس کافی گندم موجود تھی مگر اس کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ چند دن بعد ہی یہ بیس من گندم پھر قرض لے گئے کہ میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور چھ سات سو روپیہ جو انہوں نے قرض لیا تھا اس کے مقابل پر ان کی دونوں فصلوں میں سے صرف 12 من گندم وصول ہوئی یعنی کوئی سو روپیہ۔ اس کی بھی شکایت کنندہ نے کھسیانے ہو کر تصدیق کی۔ اس پر مَیں نے ان سے کہا کہ آپ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ سلسلہ سے قرض لیتے جائیں اور وصولی آپ سے بالکل نہ کی جائے۔ مگر باوجود اس کے شکایت آپ کو یہ ہے کہ کپاس بھی لے لی اور گندم بھی لے لی۔ حالانکہ واقع یہ ہے کہ کپاس کے موقع پر آپ نے کپاس کی قیمت سے زیادہ روپیہ لیا اور گندم کے موقع پر صرف ساتواں حصہ گندم کا قرض میں دیا۔ اب دیکھو! یہ احمدی میرے پاس مینیجر صاحب کے ظلم و تعدی کی ایک کہانی بنا کر لایا۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس نکلی۔ کسی انسان کے ساتھ ہمدردی تو اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب سننے والے کو یقین ہو کہ وہ شخص سچ بولنے والا ہے اور واقع میں اس وقت کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔ لیکن جب ایک آدمی کی ہر بات میں جھوٹ پایا جائے تو کسی کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب بھی وہ کوئی بات بیان کرے گا، سننے والا کہے گا۔ لگا ہے مجھے دھوکا دینے۔ ایسے حالات پیدا کر کے وہ شخص خود اپنے آپ کو اس قابل بنالیتا ہے کہ اس سے ہمدردی نہ کی جائے۔

ہمارے ملک میں ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک لڑکا جنگل میں جانور چرانے جایا کرتا

تھا۔ ایک دن اسے یہ شرارت سوجھی کہ گاؤں کے لوگوں سے مذاق کرنا چاہئے۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر اس نے شور مچانا شروع کیا شیر آیا شیر آیا دوڑیو۔ گاؤں کے لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر اور لٹھ لے کر دوڑے دوڑے وہاں پہنچے مگر وہاں جا کر دیکھا کہ لڑکا کھڑا ہنس رہا ہے اور شیر وغیرہ کا نام ونشان نہیں۔ جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگا مَیں تو تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔ لوگ غصے اور ناراضگی کا اظہار کر کے واپس آ گئے۔ لیکن چند دنوں کے بعد سچ مچ وہاں شیر آ نکلا۔ لڑکے نے شور مچانا شروع کیا شیر آیا شیر آیا دوڑیو لیکن اب گاؤں کے لوگوں کی حالت بالکل اَور تھی۔ اب کنویں پہ بیٹھا ہوا شخص حُقّہ پیتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا ایک دفعہ تو تم نے ہم کو بیوقوف بنا لیا کیا اب بھی ہم بیوقوف بن سکتے ہیں؟ ایک دانے پیسنے والا شخص دانے پیستا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہتا جا رہا تھا کہ ایک دفعہ تو تم نے ہمیں دھوکا دے لیا کیا اب بھی ہم تمہارے دھوکے میں آ سکتے ہیں؟ جب رات ہوئی تو وہ لڑکا گھر نہ پہنچا۔ گھر والوں نے تلاش شروع کی۔ آخر ایک جگہ سے اس کی ہڈیاں پڑی ہوئی ملیں۔ معلوم ہوا کہ اس دفعہ واقع میں شیر آیا تھا اور بوجہ امداد نہ پہنچنے کے لڑکا اس کے حملہ سے بچ نہیں سکا تھا۔ پس جب جھوٹ کا ماحول پیدا ہو جائے تو انسان دھوکا کھا جاتا ہے کہ کہیں یہ شخص مجھے فریب نہ دے رہا ہو۔ انسان کی عادت ہے کہ جب اس کے سامنے ایک کثیر تعداد جھوٹ بولنے والوں کی آئے تو باقی جو سچ بولنے والے ہوں ان کے متعلق بھی اسے شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ بھی جھوٹ نہ بول رہے ہوں۔ فرض کرو میرے پاس دس آدمی آتے ہیں ان میں سے پہلے نو آدمی جھوٹ بولتے ہیں اور دسواں آدمی سچ بولتا ہے لیکن ان پہلے نو آدمیوں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے میری طبیعت پر یہ اثر ہو گا کہ یہ دسواں بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ اور اگر اس دسویں آدمی کو واقع میں کوئی تکلیف ہے بھی، تو بھی مَیں اس کی امداد کرنے کو تیار نہیں ہوں گا کیونکہ مَیں یہ سمجھوں گا کہ جہاں پہلے نو آدمی مجھے بیوقوف بنانے آئے تھے یہ دسواں بھی مجھے بیوقوف بنانے آیا ہے۔

پس یاد رکھو جھوٹ قوموں کے لئے ایک کیڑا ہے جو ان کے برگ وبار کو کھا جاتا ہے اور انہیں بڑھنے نہیں دیتا۔ یہاں سب آدمیوں کے سامنے مَیں نے ان باتوں کا ذکر اس لئے کیا

ہے تا تمہیں اپنی اصلاح کی فکر ہو۔ کیونکہ میرے ذکر کرنے کی وجہ سے تم شرمندگی محسوس کروگے اور آئندہ کوشش کروگے کہ تمہیں دوبارہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اور اگر اس دفعہ مَیں تمہاری چالاکی کو نظر انداز کر دیتا تو آئندہ تمہیں جرأت پیدا ہوتی اور تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان کو کسی معاملہ میں شرمندہ ہونا پڑے تو نفس میں مقابلہ کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آئندہ کے لئے اس فعل سے اجتناب کرتا ہے۔ پس مَیں افسروں کو اور ماتحتوں کو اور مزارعین کو سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سچائی کو اپنا شیوہ بنائیں اور لوگوں کے سامنے اپنا اچھا نمونہ پیش کریں جو احمدیت کی تبلیغ میں ممد ہو۔ اور ایسا نمونہ نہ پیش کریں جو احمدیت کی تبلیغ میں روک بنے۔ سچائی سے اگر شکست بھی ہو تو وہ ہزار فتح سے بہتر ہے اور وہ فتح جو جھوٹ سے حاصل ہو وہ ہزار شکست کے برابر ہے۔ آجکل یہ بات لوگوں کے منہ پر عام ہے کہ اس زمانہ میں جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں۔ یہ بات ان کی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے سچائی کے رستہ کو تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور جھوٹ کا رستہ چونکہ آسان ہے اس لئے اس کی طرف مائل ہو گئے۔ اگر ہر ایک شخص عہد کرے کہ مَیں جھوٹ نہیں بولوں گا اور جھوٹ سے حرام کمائی نہیں کروں گا اور جھوٹ کے تمام رستے اپنے اوپر بند رکھوں گا تو وہ ضرور سچائی کے رستہ کی طرف قدم اٹھائے گا اور سچائی کے رستہ کی تلاش کرے گا۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جب انسان کسی چیز کی جستجو کرتا ہے تو وہ چیز اسے مل جاتی ہے۔ یہ کہنا کہ جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں اس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے اور سچ کا رستہ انسان کے لئے بند کر دیا ہے۔ یہ خیال ان کا کم فہمی کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو رَبُّ الْعَالَمِیْن اور اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن ہے۔ اس نے انسانوں کے لئے سچ کا رستہ کھلا رکھا ہے لیکن جو شخص جھوٹ کے رستے کو پسند کرتا ہے اس پر سچ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پس یہ بات بالکل غلط ہے کہ جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں۔ جو شخص سچائی سے اپنی روزی کمانے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کرے یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اسے بھوکا رکھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق قدم اٹھاتا ہے۔ مشکلات تو ہر رستہ میں انسان کو پیش آتی رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے اس کی مثال موجود ہے کہ انسان سچائی

سے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے مسلمان سچائی کا پابند ہونے کی وجہ سے دنیا بھر میں غالب آئے تھے اور ہر حکومت ان کی ناراضگی سے ڈرتی تھی لیکن آج مسلمان دنیا بھر میں غلام ہیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی سب کے بوٹ ان کے سر پر ہیں۔ یہاں سندھ میں اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن حکومت ہندوؤں کی ہے۔ صوبہ سرحد میں اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن غلبہ ہندوؤں کا ہے۔ پنجاب میں اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر حکومت ہندوؤں کی ہے۔ آج مسلمان جھوٹے اور ڈرپوک ہیں۔ پہلے مسلمانوں میں بہادری تھی۔ وہ سچ اور راستبازی اور دیانتداری کے لئے اپنی جان دے دیتے تھے لیکن ان چیزوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جب کوئی مسلمان کہتا تھا کہ مَیں مر جاؤں گا تو لوگوں کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ واقع میں مر جائے گا۔ اس لئے لوگ اس کے رستہ سے ہٹ جاتے تھے اور اس کا رستہ چھوڑ دیتے تھے۔ آج ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے لیکن ان کی یہ آواز کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ پس سچ سے ہی کامیابی ہے اور سچ سے ہی انسان کا رُعب قائم رہتا ہے۔ اگر ہمارے افسروں اور ماتحتوں میں ہمارے مزارعوں اور کاشت کاروں میں سچائی کی وہ روح نہیں جو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں تو مَیں انہیں بتا دیتا ہوں کہ ان کو ابھی حقیقی ایمان نصیب نہیں۔ انسان دنیا کو دھوکا دے سکتا ہے مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ پس مَیں آج کے خطبہ میں تمام کارکنوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ان میں اس قسم کی کمزوریاں نہیں ہونی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو ان سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین

اس کے بعد مَیں بچوں کی تعلیم کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ہمارے یہاں تعلیمی حالت اچھی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بعض اسٹیٹوں کے لئے استاد ہی نہیں ملتے تھے اس لئے بچوں کی تعلیم کا وہاں انتظام نہیں ہو سکا۔ لیکن اب ہم انتظام کر رہے ہیں۔ اور جس جگہ استاد موجود ہیں وہاں دوستوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے بچے پڑھنے کے لئے جاتے ہیں یا نہیں؟ مجھے افسوس ہے کہ زمیندار لوگ بچوں کی پڑھائی کا پورے طور پر خیال نہیں رکھتے۔ بچوں کو تعلیم سے محروم رکھنا ان پر بہت بڑا ظلم ہے بلکہ اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ یہ

ضروری نہیں کہ ہر ایک لڑکا بی۔ اے یا ایم۔ اے تک ہی تعلیم حاصل کرے بلکہ اپنی مادری زبان پڑھ لکھ لینا بھی بعض حالات میں بہت مفید ہوتا ہے۔ جو بچہ اپنی مادری زبان اچھی طرح پڑھ لکھ سکتا ہے وہ اپنی زندگی اچھے رنگ میں گزار سکتا ہے۔ انگریزوں میں ایم۔اے، بی۔اے کے لئے لوگ اس کثرت سے کوشش نہیں کرتے۔ ایم۔ اے اور بی۔ اے کی ڈگری کی اہمیت تو ہمارے لئے ہے۔ جو غیر ممالک والے ہیں۔ انگلستان والوں کی تو انگریزی مادری زبان ہے۔ اس لئے ان کے ہاں بی۔ اے، ایم۔ اے وغیرہ کو یہ اہمیت حاصل نہیں۔ ان میں سے بہت ابتدائی پڑھنا لکھنا سیکھتے ہیں اور پھر خود بخود ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ پس سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انسان اپنی مادری زبان پڑھ لکھ سکے۔ اس سے آگے ترقی کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اب ہم اِنْشَاءَ اللّٰہ جلدی ہی مدرّسین کا انتظام کر دیں گے اور جس جگہ مدرسین نہیں ہیں وہاں کے لئے قادیان جا کر مدرّسین بھجوا دیں گے۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ یہاں ایک ہائی سکول قائم کیا جائے تاکہ ہمارے بچوں کی پڑھائیاں خراب نہ ہوں اور وہ لوگ جو اپنے بچوں کو میٹرک تک پڑھانا چاہتے ہوں ان کے لئے آسانی پیدا ہو جائے۔ لیکن افسوس کہ ابھی تک پرائمری تعلیم کا بھی احساس نہیں۔ زمینداروں سے جب بچوں کے پڑھانے کے لئے کہا جائے تو وہ کہتے ہیں اگر ہمارے بچے پڑھنے بیٹھ جائیں تو ہمارے جانور کون چرائے اور ہمارے ہل کون چلائے۔ ایسے لوگوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وہ ایک ادنیٰ چیز کی خاطر اپنے بچوں کو اعلیٰ چیز سے محروم کر رہے ہیں۔ ان کے بچوں کی پیدائش سے پہلے بھی تو ان کے جانور چرنے کے لئے باہر جاتے تھے اور ان کے بچوں کے ہل چلانے سے پہلے بھی تو وہ ہل چلاتے تھے۔ اگر خدا تعالیٰ انہیں یہ بچے نہ دیتا تو پھر بھی وہ خود اپنے کام کرتے۔ اب اگر خدا نے انہیں یہ بچے دے دیئے ہیں تو انہیں چاہئے کہ چند سال قربانی کریں اور انہیں تعلیم کے لئے فارغ کر دیں۔ مَیں نے بار بار تعلیم کی طرف توجہ دلائی ہے لیکن پھر بھی لوگ اس میں سستی سے کام لیتے ہیں۔ مَیں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ تم دوسرے کے بچے پر رحم کرو۔ مَیں تم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم ہمسائے کے بچے کو نہ مارو بلکہ مَیں تو تمہیں یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے بچے کی جان پر ظلم نہ کرو اور اس کی تعلیم کی فکر کرو۔ کیا اس میں بھی کسی عقلمند کو کوئی کلام ہو سکتا ہے؟ پس مَیں

زمینداروں سے کہتا ہوں کہ جہاں تم نے اتنے سال یہ محنت و مشقت برداشت کی ہے وہاں دو چار سال اَور برداشت کر لو۔ خود ہل چلاؤ اور خود جانوروں کے چارے کا انتظام کرو اور بچوں کو تعلیم کے لئے فارغ رہنے دو۔ دو چار سال کے بعد چاہو تو انہیں اپنے کام میں ہی اپنے ساتھ لگا لینا اور چاہے انہیں کسی جگہ ملازم کرا دینا۔ یہ دو چار سال کی تکلیف ہے اسے برداشت کرو اور بچوں کے مستقبل کو اپنے ادنیٰ کاموں کی خاطر تاریک نہ کرو۔"

(الفضل 13 اپریل 1946ء)